# ملت کی عمرانی اُساس اور دوقومی نظریہ سے ہمارا اجتماعی انحراف

ڈاکٹر محمد عارف خان ساقی
شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی۔ کراچی

اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنا چاہیے ہم اہل پاکستان کو کہ ہمیں انگریز تسلط سے جب آزادی نصیب ہوئی تو ماہِ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اور ستائیسویں شب کو ملی۔ رمضان کی ستائیسویں شب کے بارے میں عام خیال ور جحان ہے کہ یہی لیلۃ القدر ہے جس کو قرآن حکیم نے ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا ہے(۱)۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ اجتماعی طور پر ہماری نیتیں صاف اور ارادے جب ٹھیک ہوتے ہیں اور قوم کی زمام کار جب فرقوں میں بٹی ہوئی مذہبی پیشوائیت کی بجائے قومی وحدت و جمعیت کے داعی اہل دانش وبینش کے ہاتھوں میں ہوتی ہے تو تائید غیبی ہماری پشت پر آکر کھڑی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا وطن عزیز میں آج اگر حالات خراب ہیں تو مایوس ہونے کی نہیں اپنے رویہ وطرزِ عمل کا ناقدانہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس خصوصی کرم وعنایت کی وجہ ہمیں یہ نظر آتی ہے کہ مسلمانوں کی غالب اکثریت گروہی اور فرقہ وارانہ سوچ سے بالاتر ہو کر وحدت و جمعیت کے اصولوں کے تحت اپنے جداگانہ قومی تشخص کو عالمی سطح پر منوانے کے لیے تقریباً متفق الرائے ہو گئی تھی۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ مملکتِ خداداد پاکستان کا قیام دوقومی نظریئے کی بنیاد پر ہی عمل میں آیا تھا۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ مسلمانوں کو تقسیم سے دوچار کرنے والے نظریات سے صرفِ نظر کو ضروری تسلیم کر لیا گیا تھا۔ یہ ہمارے ہاں ایک داخلی نوعیت کی مگر بہت ہی اہم تبدیلی تھی۔ نیز برصغیر یا غیر منقسم ہندوستان میں یہ اصول بھی تسلیم کر لیا گیا تھا کہ ہندو اور مسلمان ماضی اور معاشرت کے رشتوں کی بنیاد پر دو الگ الگ قومیں ہیں۔ مگر حقیقتِ حال اب یہ ہے کہ ہم اہل پاکستان نہ تو دوقومی نظریئے کی حقیقت کا پوری طرح سے ادراک کر پائے ہیں اور نہ ہی ہم ایک آزاد وخود مختار مملکت ایسے قدرت کے عظیم عطیہ ونعمت کو ناقدری اور بے توقیری سے بچانے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔ اس نعمتِ عظمیٰ کی لاج نہ رکھ سکنے کی پاداش میں آج ہمارے اوپر جہاتِ ستہ سے دباؤ اور عدمِ تحفظ کے احساس کی یلغار ہے۔ ضرورت ہے تصریحاتِ مندرجہ بالا کی روشنی میں ہم اپنے رویہ وطرزِ عمل کا ناقدانہ جائزہ لیں اور ملک وقوم سے دباؤ اور عدمِ تحفظ کے احساس کی تعدیم کے لیے عملی اقدامات کریں۔ اس دوقومی نظریئے کی اپنی بنیاد کے تعلق سے بات کرتے ہوئے برصغیر کے معروف مصنف

ودانشور عزیز احمد لکھتے ہیں:

''ایک قوم ایک عظیم استحکام کا نام ہے جو اس جذبہ ایثار سے وجود میں آیا ہے جس کا مظاہرہ ماضی میں کیا جا چکا ہے اور جس کے لیے فرد اب بھی پہلے سے کہیں زیادہ ایثار کے لیے تیار ہے۔ ماضی اس میں مضمر ہوتا ہے اور یہ زمانۂ حال میں کسی بیّن واقعہ سے دوبارہ حاصل ہوتا ہے۔ مشترک زندگی کے عمل کو جاری رکھنے کی رضامندی اور گہری واضح خواہش اس میں پوشیدہ ہوتی ہے''۔ اگر اس معیار سے ہندوستان میں ہندو مسلم سیاسی گتھی کو پرکھا جائے تو یہ ایک قوم نہیں بنتی۔ اس لیے نام نہاد ہندوستانی قوم میں جو تنوع ہے اسے اس کی دو بڑی وحدتوں کے باہمی تعاون کی خاطر تسلیم کر لینا چاہیے۔ یعنی ایک ہندو عصبی اجتماعیت اور دوسری مسلم عصبی اجتماعیت۔ اول الذکر کے ثقافتی رشتے بدھ دنیا میں جنوب مشرقی ایشیا اور مشرق بعید میں تھے اور دوسری کے رشتے مشرق وسطیٰ کے مسلمانوں میں تھے(۲)۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ مسلمان قوم کی عمرانی اُساس ہی اَور ہے۔ اس اُصول کے تحت اور اپنی داخلی ساخت کے اعتبار دیکھا جائے تو مسلمان قوم کی ذات پات پر مبنی ہندو معاشرت کے ساتھ کھلی منافات ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ دنوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مسلمانوں کی عمرانی اُساس قرآن حکیم سے مربوط ہے۔ اور بالخصوص سورہ حجرات میں وارد احکام اس کی حقیقی ساخت کی وضاحت کرتے ہیں (۳)۔ اس کی مزید تفصیل وتشریح رسولِ کریم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے فرما دی تھی۔ سیرت طیبہ کے اہم ترین مآخذ میں سب سے اہم تالیف سیرت ابن ہشام سمجھی اور مانی جاتی ہے۔ اس کی روایت حسبِ ذیل الفاظ میں ہے:

قَالَ ابْنُ اِسْحَاق :فَحَدَّثَنِی بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلٰى بَابِ الْكَعْبَةِ، فَقَالَ: لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ. صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَعَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ. اَلَا كُلُّ مَاْثُرَةٍ اَو دَمٍ اَوْمَالٍ يُدَّعٰى فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَیَّ هَاتَيْنِ اِلَّاسَدَانَةَ الْبَيْتِ وَسِقَايَةَ الْحَاجِّ ... يَامَعْشَرَقُرَيْشٍ! اِنَّ اللّٰهَ قَدْاَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالْاٰبَآءِ. اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ. ثُمَّ تَلَاهٰذِهِ الْاٰيَةَ:"يٰاَيُّهَاالنَّاسُ اِنَّاخَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ " اَلْاٰيَةَ كُلَّهَا.(۴)

ترجمہ :ابن اسحاق کہتے ہیں کچھ اہل علم نے مجھے بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ معظمہ کے

دروازے پر کھڑے ہوئے۔ پھر فرمایا: اللہ کے سوا سبھی معبود باطل ہیں، وہ یکتا ہے اُس کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے۔اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد ونصرت فرمائی اور اس نے تنہا احزاب وقبائلی گروہوں کی شوکت کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔خبردار ! یہ بات کسی کے دھیان وحافظہ سے اترنے نہ پائے کہ ہر طرح کی خاندانی وموروثی عزت وبلند مقامی یا ہر طرح کی خون آشامی یا ہر طرح کی ناجائز مال خوری، جس جس کا بھی جاہلیت کے اطوار کے تحت دعویٰ کیا جاتا رہا ہے، تو ایسا ہر دعویٰ میرے ان دو پاؤں کے نیچے ہے، پامال وکالعدم قرار دیا جاتا ہے۔سوائے کعبہ معظمہ کی نگہداری ودربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کے خاندانی وظائف ومناصب کے۔اے قریش کے عمرانی گروہ یہ امر طے ہو چکا ہے کہ بلاشبہ اللہ نے تم لوگوں سے جاہلیت کی نخوت وغرور اور اسی جاہلیت کی عطا کی ہوئی ذات وبرادری اور آباء واجداد کی بنیاد پر اپنی بڑائی جتاتے پھرنے کی خسیس حرکت کو دور کر دیا ہے۔سب لوگ آدم علیہ السلام سے ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔پھر آپ ﷺ نے یہ پوری آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی: ( يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَ أُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ أَتْقٰكُمْ ) ۔یعنی: اے لوگو ! یقیناً ہم نے تم لوگوں کو ایک مرد ایک ہی عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تم لوگوں کے عمرانی دھڑے اور قبیلے بنا دیئے ہیں تاکہ آپس میں ایک دوسرے کی پہچان کر سکو، بلاشک وشبہ تم میں عزت وتکریم کا زیادہ حقدار وہ ہے جو محتاط وبرائیوں سے بچنے کا زیادہ احساس وجذبہ رکھتا ہے۔

شبلی نعمانی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

عرب اور تمام دنیا میں نسل اور قوم وخاندان کے امتیاز کی بناء پر ہر قوم میں فرقِ مراتب قائم کیے گئے تھے۔جس طرح ہندوؤں نے چار ذاتیں قائم کیں اور شودر کو وہ درجہ دیا جو جانوروں کا درجہ ہے۔اور اس کے ساتھ یہ بندش کر دی کہ وہ کبھی اپنے رتبہ سے ایک ذرہ آگے نہ بڑھنے پائے۔اسلام کا سب سے بڑا احسان، جو اس نے تمام دنیا پر کیا، مساواتِ عام قائم کرنا تھا۔یعنی عرب وعجم، شریف ورذیل، شاہ وگدا سب برابر ہیں۔ہر شخص ترقی کر کے ہر انتہائی درجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ اس بناء پر آنحضرت ﷺ نے قرآن مجید کی آیت (الحجرات: ۱۳) پڑھی اور پھر توضیح فرمائی کہ ''تم سب اولادِ آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے''(۵)۔

صرف برِ صغیر ہی کی بات نہیں ملتِ اسلامیہ مغربی اقوام سے بھی کسی طرح کا میل نہیں کھاتی۔ یہی وجہ ہے کہ

علامہ اقبال نے بھی بر موقع مسلمانوں کی رہنمائی فرمادی تھی۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں؟
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی (۶)

مگر قرآنِ حکیم میں وارد نظریاتی اُساس کا معاملہ ہو یا خطبہ فتح مکہ میں رسولِ کریم ﷺ کی جانب سے اس کی یہ خوب نکھری ہوئی اور واضح تعبیر وتشریح، سب کچھ آج ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔ ہم یہ سب کچھ پس پشت ڈال چکے ہیں۔ انہی اصولوں سے دوقومی نظریے کو علمی وفکری غذا مل رہی تھی۔ دوقومی نظریے کی بنیاد جن اصولوں پر قائم کی گئی تھی، اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو، آج کے اس جدید دور میں بھی ہم اہل پاکستان پر ''ایک قوم'' کی تعریف کسی طرح سے صادق نہیں آتی۔ نہ ہمارے اندر ایک دوسرے کے لیے جذبۂ ایثار وقربانی پایا جاتا ہے۔ نہ ہی مشترک زندگی کے عمل کو جاری رکھنے کی رضا مندی ہی کہیں نظر آتی ہے۔ گہری واضح خواہش کا ہونا تو بہت بڑی بات ہے۔ ۱۴، اگست ۱۹۴۷ء سے حالیہ عام انتخابات (۲۰۱۳ء) تک کی دینی و معاشرتی اور سیاسی و معاشی تاریخ ہماری ناکامیوں کی مظہر اور شاہد عدل کا درجہ رکھتی ہے۔ آج بھی ہم بری طرح سے تقسیم ہیں۔ ہم نے اپنی حیات کے ہر شعبے اور ہر سرمائے کو قومی وحدت و جمعیت کی پامالی اور ابتری کی خاطر بہت بے دردی سے استعمال کیا ہے۔ حد یہ ہے کہ اللہ کے نام پر صدقات وزکوٰۃ سے حاصل ہونے والی آمدنی کو بھی فرقہ واریت کے فروغ کے لیے صرف کرنے میں بھی اب ہمیں کوئی ہچکاہٹ تک محسوس نہیں ہوتی۔ تقسیمات کا سلسلہ لامحدود ہے۔ دین و مذہب، جو ہمیں جوڑنے اور ایک ساتھ جینے کا سبق دینے آئے تھے، آج ہمارے اپنے ہاتھوں یہ خود نہایت درجہ قابل رحم حالت میں ہیں۔ کوئی ان کا پرسانِ حال اور والی و وارث نہیں ہے۔ بالکل بے یار و مددگار۔ جس کا بھی جی چاہے ایک ٹکڑا توڑ لے۔ لہٰذا جب، جہاں اور جس کا بھی دل چاہتا ہے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ کر لیتا ہے تو ایک نیا فرقہ معرضِ وجود میں آجاتا ہے۔ فرقہ واریت کی حمایت میں بات کی جاتی ہے تو سب کو قبول و گوارا ہو جاتی ہے۔ مگر قومی وحدت و جمعیت کی بات ایک ایسی کڑوی گولی کی مانند ہے کہ حیات بخش ہونے کے باوجود حلق سے ہی نہیں اترتی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر قومی وحدت و سالمیّت داؤ پر لگ جاتی ہے۔ ذرائع ابلاغ کی انقلاب آفریں آزادی نے سیاست و معیشت کے میدان میں کئی ظالم و بے رحم چہرے تو بے نقاب کر دیے ہیں۔ جو کہ اب تماشا گاہِ عالم کی زینت بنے ہوئے ہیں اور باعث نصیحت و عبرت ہیں۔ اس انقلاب سے توقع ہے اس شعبۂ حیات میں بھی بہتر نتائج کی امید کی جاسکتی ہے۔ مگر ابھی کچھ وقت باقی ہے شائد۔

دین و مذہب سے جڑے ہوئے معاملات میں بھلے سے وہ دین کی بنیادی اور غیر متبدل تعلیمات کی کھلی خلاف

ورزی پر مبنی ہی کیوں نہ ہوں کسی کو بولنے کا حق ہی حاصل نہیں ہے۔ دیانتداری اور شفافیت مذہبی پیشوائیت کا بنیادی دعویٰ ہے۔ مگر انہی کی طرف سے یہ تاثر قائم کیا جاتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہی عین دین وایمان ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی عین مرضی ومنشا کے مطابق ہی ہے یہ سبھی کچھ۔ اور یہ کہ ان کے ان معاملات میں دخل اندازی کی کسی کو اجازت نہ ہے نہ ہونی چاہئے۔ بصورتِ دیگر دینی جذبات مجروح ہو جاتے ہیں اور اشتعال پیدا کر دیا جاتا ہے۔ یہ ہم سب کا اپنا دین ہے۔ یہ دین ہمارا اپنا نظریہ حیات ہے۔ لہٰذا ہماری اپنی طرزِ زندگی کی حقیقی بنیاد بھی اسی کو ہی ہونا چاہیے۔ اسی طرح ہمارے ایمان وعمل کی صحت وسلامتی کا سارا دار و مدار بھی اسی کے بتائے ہوئے اصولوں پر ہی ہے۔ چنانچہ اپنے روزمرہ اور اعمال وکردار کا محاسبہ بھی انہی اصولوں کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ اپنے موجودہ اور عملی نظریہٗ حیات کی صحت وراستی کو بھی اسی میزان پر جانچنا اور پرکھنا نیز ان کا تزکیہ وتطہیر کرتے رہنا ہماری ایک لازمی ضرورت ہے۔ ایسے ہی جیسے ہمارے جسم میں خون کی صفائی کا مسلسل عمل ہے۔ یہ سب کچھ ناگزیر ہونے کے باوجود ان اصولوں کی روشنی میں اپنی کوتاہیوں کا جائزہ لینا آج بھی شجرِ ممنوعہ کیوں بنا ہوا ہے؟ اہل فکر ونظر کے حوصلے بھی لگتا ہے کہ بہت پست ہو چکے ہیں۔ اوران کے نزدیک آج بھی یہ وہ بھاری پتھر ہے جس کو اٹھانے کی بے پناہ خواہش کے باوجود، ہر کوئی محض اس کو چوم کر ہی چھوڑ دیتا ہے۔

فرقہ پرستی کے عمل میں ہر ایک گروہ کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ وہ دوسرے گروہوں اور فرقوں پر کسی نہ کسی طرح سے غالب آجائے۔ دوسرے فرقوں پر اپنی بالادستی کے قیام کی اسی منہ زور خواہش نے حالات کو یہ رخ دے دیا ہے۔ اسی کے نتیجے میں دین اور دینداری ہمارے معاشرے کے عام اور اکثریتی افراد کے لیے خوف اور دہشت کی علامت بھی بنتے چلے جا رہے ہیں۔ بلکہ اب تک تو بڑی حد تک بن بھی چکے ہیں۔ نظر یہی آتا ہے کہ یہ مذہبی گروہ اس ملک وقوم کے سب سے طاقتور اور پُرخطر پریشر گروپس کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ ان کے کارنامے بھی سب کے سامنے ہی ہیں۔ ان کی ان بے اعتدالیوں پر گفتگو کی جاتی ہے تو اس میں ان کو اسلام کی توہین نظر آنے لگتی ہے۔ اور شور مچا کر سب کو پھر سے اپنے دباؤ کے نرغے میں لے لیتے ہیں۔ یہی ہوتا آیا ہے اور یہی کچھ ہنوز ہوتا نظر آرہا ہے۔ پچھلے عام انتخابات کے انعقاد کے ذمہ دار ادارے "الیکشن کمیشن آف پاکستان نے فرقہ وارانہ رجحانات کے نقصانات کا احساس کرتے ہوئے قومی امنگوں کے عین مطابق اس رجحان کے خلاف ایک ضابطہ جاری کرنے کی ہمت تو کر دی تھی۔ اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو یہ قوم کی گروہی اور فرقہ وارانہ تقسیم کے خلاف ایک نہایت مفید اور دوررس اثرات کا حامل حکم وفیصلہ تھا۔ روزنامہ جنگ کراچی کی شہ سرخی کے الفاظ حسبِ ذیل ہیں:

"مذہب اور فرقے کے نام پر ووٹ مانگنا قابل سزا جرم قرار"۔ الیکشن کمیشن کا ہدایت نامہ(۷)

مگر اس کا نتیجہ کیا برآمد ہوا؟ ایک مذہبی گروہ کی نمائندہ سیاسی جماعت کے قائد نے الیکشن کمیشن کی اس ہدایت کو مسترد کرتے ہوئے حسبِ ذیل بیان دیا ہے جو اسی روز کے اخبار کے اسی صفحے پر شائع بھی ہوا ہے:

''مذہب کے نام پر ووٹ نہ مانگنا نظریہ پاکستان کے منافی ہے''

ریاستی ادارے سہم کر رہ گئے۔ قانون پامال ہوا۔ اور فرقہ واریت کی بنیاد پر لوگوں نے لوگوں سے سرعام ووٹ مانگے اور لیے۔ اور پھر بات آئی گئی ہوگئی۔ اور اب اس بات کو بھی ایک سال سے اوپر ہوتا جا رہا ہے۔ کسی کا اس بات پر دھیان ہی نہیں ہے۔ اس قانون کو یوں دیدہ دلیری سے رد کرنے والوں سے کہا جا سکتا تھا کہ آپ جس ماحول و معاشرے میں کھڑے ہیں یہ مملکتِ خداداد پاکستان ہے۔ یہ غیر منقسم ہندوستان نہیں ہے۔ اور آپ عوام کے جذبات کو جس خاص سمت میں لے جا کر ان سے ووٹوں کے طلبگار ہیں اس سمت میں سفر اللہ اور اس کے رسول نے بھی سختی سے ممنوع قرار دے رکھا ہے۔ مذہب کا لفظ حقیقت میں تو دین و شریعت کے تابع گروہوں اور فروعی فرقوں کے لیے ہی تھا۔ مگر خواندگی اور سمجھ بوجھ کی کمی نے اس کو دین کا مترادف بنا کر رکھ دیا ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ بیک وقت ہمارے ہاں یہ دو معنوں میں استعمال ہو رہا ہے۔ دین کے لیے بھی اور دین سے بنے ہوئے گروہوں میں سے کسی ایک گروہ کے لیے بھی۔ جب یہ دین کی جگہ بولا جاتا ہے تو مراد اسلام ہے۔ اور اس کے مقابلے پر دیگر ادیانِ عالم ہیں۔ اور جب یہ گروہوں اور فرقوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس کے مقابلے پر اسی دین کے تابع دیگر فرقے اور گروہ ہوتے ہیں۔ پہلے معنی میں استعمال اہلِ علم ودانش کا وطیرہ ہے تو دوسرا عامۃ الناس کے ہاں رائج ہو گیا ہے۔ مگر اس لفظ کے حقیقی وادبی معنی یعنی ''دین کے تابع یا ذیلی گروہوں میں سے کوئی ایک گروہ'' کے لحاظ سے باقی جتنے بھی گروہ اور فرقے ہوں گے وہ سب بھی اپنی اپنی جگہ مذہب ہی کہلائیں گے۔ جیسے اسلام کے فقہی مذاہب میں حنفی مذہب، شافعی مذہب، حنبلی مذہب اور مالکی مذہب وغیرہ۔ دین کے پیروکاروں کی مذاہب میں تقسیم بھی سراسر ظلم، فرقہ بازی اور شرعاً ممنوع عمل ہے۔ یہ اَور بات ہے کہ علماء نے نظریہ ضرورت کی بنیاد پر اس کو تحفظ دینے کی بہت سعی کی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جیسے کسی قانون شکنی کو پارلیمنٹ تحفظ دے دیتی ہے بالکل اسی طرح سے یہ جواز بھی دین کی بنیادی اقدار کے خلاف فراہم ہوا ہے۔ دین اور اس کی بنیادی اقدار میں تصرف ساری دنیا کے اتفاقِ رائے سے ہو تب بھی قطعی ناجائز اور ظلم ہی رہتا ہے۔ قرآن حکیم نے سابق اہلِ کتاب کے باب میں اس نوع کے تصرفات کی حیثیت متعین فرما رکھی ہے۔ کہیں نہ کہیں اور کبھی نہ کبھی اس حقیقت کو تسلیم کر کے ہمیں واپس اپنی اَصل سے مربوط ہونا ہوگا۔ بصورتِ دیگر دین کی خدمت کے نام پر ہونے والی ہماری ہر کوشش جاہلیتِ جدیدہ کو فروغ دینے کی سعی ہی شمار ہوگی۔ اس طرح کی کوئی بھی سعی و کوشش عنداللہ قابلِ اَجر و جزا تو نہیں البتہ قابلِ گرفت وسزا ضرور ہے۔

اب اس صورتحال میں فقط دین، جس کی بنیاد پر قوم کی تشکیل ہوتی ہے، کے نام پر ووٹ مانگنے کا حق ہی دو قومی نظریہ کے تحت تسلیم شدہ حقیقت ہے۔اور یہ حق لوگوں کو یقیناً دیا جاسکتا ہے۔مگر پاکستانی معاشرے میں آکر ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔کیونکہ یہ اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔پاکستان، عالمی سطح پر تسلیم شدہ اسلامی تشخص کی حامل مملکت ہے۔اس کے رائے دہندگان بھی مسلمان ہی ہیں اور حق نمائندگی کے حصول کی تگ و دو کرنے والے جملہ امیدواران بھی مسلمان ہی ہیں خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب یا فرقے سے ہو۔لہٰذا ایسے ملک و ماحول میں ''مذہب اور فرقے کے نام پر ووٹ مانگنا قابل سزا جرم قرار" دیئے جانے کا صاف اور صریح مطلب یہ بنتا ہے کہ یہاں مذہب کے نام پر گروہ بندی یا فرقہ پرستی ممنوع ہے۔جوابی دعوے میں مذکور حق کسی ایسے ماحول و معاشرے میں ضرور تسلیم کیا جاسکتا ہے جہاں کسی امیدوار کے مقابلے پر ووٹ مانگنے والے ہندو، سکھ، عیسائی اور یہودی سبھی ہوں اور ووٹ دینے والے ایک مشترک زندگی میں رہتے ہوئے اپنے اپنے نمائندوں کے انتخاب کے خواہشمند بھی ہوں۔تو اب کیا یہ فرض کرلیا جائے کہ باقی سب امیدوار غیر مسلم ہیں یا کم سے کم آپ ان کو غیر مسلم ہی سمجھتے ہیں؟ چنانچہ کھلی فرقہ پرستی کی مخالفت کی ہمت و جرأت ایک با اختیار الیکشن کمیشن بھی نہیں کرسکا۔ایک غلط رجحان کی بیخ کنی ممکن نہ ہوسکی۔

ابھی تک ہم لوگ کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں یا سمجھنا ہی نہیں چاہتے، بات جو بھی ہو ایک بات تو ہمیں ضرور مدنظر رکھنی چاہیے کہ فرقہ واریت کے نقصانات محض کوئی واہمہ یا امکانی نوعیت کے خدشات نہیں ہیں۔بلکہ یہ ایک کھلی اور وحشت ناک حقیقت بن چکے ہیں۔اس کی بنیاد پر ملک اور قوم کے اندر ایک خانہ جنگی کی مسلسل کیفیت سب کی نگاہوں کے سامنے ہے۔اور اس کے ہاتھوں یہ قوم اپنے ہزاروں فرزندوں اور بے گناہ افراد کی قربانیاں دے چکی ہے اور دیتی ہی چلی جارہی ہے۔یہ بات بھی اب سب اہل فکر و دانش بخوبی جانتے ہیں کہ اس ملک میں ظلم و تشدد کی زیادہ تر کارروائیاں محض اسی لیے ہیں کہ طاقت پیدا کر لینے والے فرقے وطن عزیز کے اقتدار پر جلد از جلد قبضہ چاہتے ہیں۔اور اس کے ذریعے دیگر گروہوں اور فرقوں کے ساتھ ساتھ اس پورے خطے پر بھی اپنی بالادستی قائم کر لینے کی شدید خواہش رکھتے ہیں۔آگ، خون اور بارود کا یہ سارا کھیل اسی آرزو کے تحت کھیلا جارہا ہے۔اور یہ بات بھی اب کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہ گئی ہے کہ بالاکوٹ میں شاہ اسماعیل کی ناکامی کے بعد اس خطے میں حکمت عملی تبدیل کردی گئی تھی۔نئی حکمتِ عملی کے تحت شمشیر زنی پر زور دینے کی بجائے لوگوں کی ذہن سازی پر پوری توجہ صرف کی گئی ہے۔برصغیر میں شاہ ولی اللہ کی فکر کے تحت تشکیل پانے والے پانچ بڑے مکاتب میں سے شاہ اسماعیل کا درجہ پانچواں بنتا ہے۔چنانچہ اس مکتبہ فکر کو اس خطے سے جو حمایت آج دستیاب ہے وہ ایک طویل اور خاموش جدوجہد کا ثمرہ ہے۔لیکن رہتی دنیا تک یہ کیفیت باقی رہنے والی نہیں ہے۔صرف چند سال یا ایک آدھ دھائی کے اندر دوسرے فرقے بھی اسی تیاری کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں گے اور، خاکم بدہن، یہ بدقسمت

قوم اپنے فرزندوں کا نیا خون اور نئی قربانیاں دینے پر مجبور ہو جائے گی۔ آگ، خون اور بارود کا کھیل پھر نئے انداز سے کھیلا جائے گا۔ مشکل حالات قوموں کی زندگی میں آتے ضرور ہیں مگر ان سے شعور و دانش کی تخم ریزی ہوتی ہے۔ موجود حالات و واقعات بھی پوری طرح سے چشم کشا ہیں۔ مگر ہماری آنکھیں کھلنے کا نام ہی نہیں لے رہی ہیں۔ ہم اپنی قوم کو کس سمت میں لے کے جا رہے ہیں؟ علامہ اقبال کا مشورہ تو کچھ یوں ہے کہ

اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے بلبل　　　نوا را تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کمیابی

جس طرح ہر پھلدار درخت کی اپنی ایک طبعی عمر ہوتی ہے اسی طرح فطرت کے قانون کا پہرا یہاں ہمارے اوپر اور ہمارے لگائے ہوئے اس متذکرہ بالا پیڑ پر بھی موجود ہے۔ جو شجر زہریلا ہوتا ہے یا جس کا پھل کڑوا اور زہریلا نکلے تو یہ بات بھی یقینی ہوتی ہے کہ تمام تر کوششوں کے باوجود پوری دیدہ دلیری کے ساتھ اس درخت کی کاشت کاری تا دیر جاری نہیں رکھی جا سکے گی۔ اس کو قدرتی اصولوں کے تحت مزاحمت کا سامنا ہوگا۔ اس لحاظ سے مزید کچھ ہی عرصہ تک یہاں سے یہ زہریلا پھل مہیا ہو سکے گا۔ اور چونکہ شیطانی قوتیں اپنے کام سے باز نہیں آتی ہیں اس لیے کل کسی اَور کے ہاتھ میں بندوق ہوگی اور وہ راج کرنے کے خواب دیکھنے لگ جائے گا۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جو جو مذہبی گروہ آج براہِ راست نشانے پر ہیں ان کے انتقامی جذبات بھی بیدار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اور ایک بھرپور تیاری کے ساتھ ان کے بھی یونہی مسلح و ہتھیار بند ہونے کے امکانات بہت تیزی سے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ اسی طور یہ قوم صدیوں سے خانہ جنگی میں مبتلا چلی آ رہی ہے۔ اسی فرقہ پرستی کے تسلسل کے باعث مملکتِ خداداد پاکستان بھی فرقہ وارانہ خانہ جنگی کے باعث لہولہو ہے۔ پوری ملتِ اسلامیہ دنیا کے جس جس گوشے میں بھی ہے اس فرقہ واریت کے باعث وہاں آتش فشاں ہیں کہ دھک رہے ہیں۔ ان فتنوں کو جب بھی موقع ملتا ہے ان کے دہانے کھل جاتے ہیں۔ دنیا کے جس جس خطے میں بھی مسلمان آباد ہیں اسی فتنہ کے باعث بدامنی، بے چینی اور اضطراب کا شکار ہیں۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ہم سب ہوش کے ناخن لیں اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے آگے بحیثیت ایک متحدہ مسلم قوم سرِ تسلیم و جبینِ نیاز خم کر دیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ حکم اس طرح کے پیچیدہ اور مشکل حالات سے بعافیت نکلنے کا باوقار راستہ مہیا کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ کی اور اپنے اہلِ دانش و بصیرت نیز معاملات کے حقیقی فہم و مہارت کے حامل لوگوں کی اطاعت کرو، تو پھر اگر تم باہم جھگڑ پڑو تو اس کو اللہ

اور اس کے رسول کی بارگاہ (قرآن حکیم واُسوۂ رسول کریم ﷺ) میں پیش کرو اگر تم واقعی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہی حل سب سے اچھا اور انجام ونتیجہ خیزی کے لحاظ سے سب سے بہتر ہے۔

یہاں دو اُصول طے ہو جاتے ہیں۔ اختلافی معاملات میں صرف اللہ اور اس کے رسول کی طرف مراجعت ہوگی۔ ہر صاحبِ دانش وخرد یہ بات سمجھتا ہے کہ اللہ کی طرف مراجعت کا معنی ہے ''کلام اللہ'' کی طرف مراجعت۔ یہ قرآن حکیم ہے جس کو قیامت تک کے لیے زندہ ومحفوظ بنادیا گیا ہے۔ اور رسول کی طرف مراجعت کا معنی ہے: ''اُسوۂ رسول کریم ﷺ''۔ یہ رسول کریم ﷺ کی وہ فکری وعملی تعلیمات ہیں کہ جن کے تحت آپ ﷺ نے لوگوں کی عین نگاہوں کے سامنے اپنی حیاتِ طیبہ بسر کی اور عملاً کرنے کے تمامی کام کر کے سکھا اور بتا دیئے کہ ایسے ایسے اور ایسے۔ خواہ اس کے لیے زبانِ قال استعمال ہوئی ہے یا زبانِ حال۔ چنانچہ زمانۂ مابعد کی تصنیفات وتالیفات ازخود خارج ہو جاتی ہیں۔ اور انہی کے سہارے اختلافات اور خونریزیاں زندہ ہیں بلکہ جاری وساری ہیں۔

معاملات قیامِ پاکستان کی طرح ایک بار پھر اہل دانش کے سپرد کرنے کا وقت آپہنچا ہے۔ اس پہلو پر فوری توجہ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس صورتحال نے مسلمانوں کو پورے عالم کی جملہ چراگاہوں میں ان کے اعداء کے لیے ایک آسان شکار بنا دیا ہے۔ اس کے باوجود مذہبی جماعتوں کے سربراہوں کی سوچ اگر یہی ہے تو متذکرہ بالا حوالہ وطنِ عزیز کے سب سے بڑے اردو اخبار کا ہے جس کا صاف مطلب ہے کہ اس سوچ وفکر اور اس کردار وعمل کے سب نظارے خلقِ خدا کی عین نگاہوں کے سامنے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ آزاد ذرائع ابلاغ کا بھلا ہو کہ ان کی بدولت تماشا گاہے عالم کی زینت بنتے چلے رہے ہیں۔ دیکھتے ہیں ہم بھی آخر اللہ تعالیٰ کے حکم کی کھلی نافرمانی پر آپ کا یہ اصرار کب تک جاری رہ پائے گا۔ اس امر میں تو کوئی شبہ نہیں ہے کہ آپ اس ملتِ اسلامیہ کے شمار سے باہر یا بہت سارے مذہبی گروہوں میں سے فقط ایک کے ہی نمائندہ وقائد ہیں۔ الیکشن کمیشن آف پاکستان کے اس ہدایت نامہ اور اس استرداد کے بعد حالیہ انتخابات میں عملاً جو کچھ بھی ہوا ہے اس پر بھی قوم کے اہل فکر دردمند دل رکھنے والے افراد غمزدہ ہیں۔ اور وطن عزیز کے اہل دانش کی توجہ اور تبصرے وقت کی بڑی ضرورت بن گئے ہیں۔ کیونکہ ایک ٹکڑوں اور فرقوں میں بٹی ہوئی قوم اغیار کی چیرہ دستیوں کا سامنا کرنے کے لائق نہیں رہتی۔ اختلافات کو بنیاد بنا کر گروہی تنظیم سازی کر لی جائے تو اس عمل کے باعث بلاشبہ قوم کی اجتماعی توانائیاں تقسیم ہو جاتی ہیں۔ لامحالہ اجتماعی زندگی کی مشکلات کا معاملہ ہو تو قومی ہمت بھی پست ہی ہو جاتی ہے۔ ہمارے پاؤں بلاوجہ تو نہیں اکھڑ گئے۔ یہ اسی گروہ بندی کا لازمی نتیجہ ہے۔ قرآن حکیم نے باہمی جھگڑوں کو بڑھانا اور دائمی بنا دینے، فرقہ بندی اور گروہ سازی کے نقصانات کو بہت دلنشیں پیرائے میں بیان کیا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (۱۰)

ترجمہ: اور اطاعت کرتے رہو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور آپس میں مت جھگڑو کہ بزدل ہو جاؤ اور تمہاری ہوا بھی اکھڑ جائے، اور صبر کا دامن تھامے رکھو یہ حقیقت ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ۔

مذہبی فرقہ واریت کا عفریب یوں تو شروع دن سے ہی بے قابو چلا آیا ہے مگر جدید ہتھیاروں کے استعمال پر قادر ہو جانے کے باعث کچھ زیادہ ہی خطرناک ہوتا چلا جا رہا ہے۔ یہ ہمارے دشمنوں کے لیے بڑی خوشی کی بات ہے۔ مگر ہماری اپنی قوم کے لیے ماضی میں بھی نہایت درجہ تباہ کن تھی، زمانہ حال میں بھی سخت خطرناک و مہلک ہے اور آنے والے دنوں میں جدید ہتھیاروں کے حصول کی بدولت ایک مستقل و ہولناک خطرہ ہی بنی رہے گی۔ قوم کو اس کا کوئی فائدہ ہے تو وہ بھی منظر عام پر ضرور لایا جانا چاہیئے۔ اور جو جو نقصانات ہیں اب ان کا بھی حساب و شمار ضرور ضروری ہو گیا ہے۔ یہ نکتہ ہمیں قرآن حکیم نے ہی سمجھا دیا ہے کہ اس فرقہ پرستی پر قدغن لگانے کے لیے علماء اور دیگر مذہبی پیشوا کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ آج یہ باہم متحارب ہیں اور ان میں سے ہر کوئی فریقِ معاملہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ کوئی بھی فریقِ معاملہ کبھی فیصلہ صادر اور مسلط کرنے کا مجاز نہیں ہوا کرتا۔ یہ بات خود قرآن حکیم بھی واضح کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ. إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ. (۱۱)

ترجمہ: اور اگر کبھی ایسا ہو کہ مؤمنین کے دو گروہ آپس میں لڑنے مرنے پر تُل جائیں تو تم لوگ ان دونوں گروہوں کے بیچ خرابی کے اسباب کا تدارک کر دیا کرو، تو پھر اگر ایسا ہو کہ ایک گروہ دوسرے پر چڑھائی کر دے تو تم لوگ سرکشی کرنے والے گروہ سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے دین پر پورا اترنے لگے، تو پھر اگر ایسا ہو کہ وہ پورا اترا ہے تو اُصولِ عدل کے تحت ان دونوں کے مابین خرابی کے اسباب و وجوہ کو دور کرو، اور انصاف ہی کرتے رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ مؤمن تو فقط ایک دوسرے کے بھائی بند ہی ہیں، تو تم لوگ اپنے بھائیوں کی باہمی رنجشیں دور کرتے رہا کرو، اور بچو قدرت کے نظام کے ساتھ تصادم کی راہ سے تا کہ تم پر رحم کیا جا سکے۔

قرآن حکیم نے متحارب فریقوں اوران کی قیادت وسیادت سے فیصلہ کی استعداد سلب کر لی ہے۔ یہ دونوں فریقِ معاملہ ہیں اوران کی مناسب جگہ کٹہرا ہی ہوسکتی ہے۔جج کی کرسی ہرگزنہیں۔ ورنہ اس سے بڑا ظلم ہی اَور کوئی نہیں ہوگا۔ معاملہ سلجھانے کے لیےقرآن حکیم نے تیسری قوت کومخاطب کیا ہے اوراسی کو ذمہ دار بنایا ہے۔ یہ تیسری قوت اہل فکر ودانش اورارباب اختیار واقتدار کے سوا کوئی اَور نہیں ہوسکتی۔ یہی سواد اعظم ہے۔اس تیسری قوت کے اختیارات میں بھی اضافہ اورتوسیع کی گئی ہے۔حتیٰ کہ اس تیسری قوت کوخودقرآن حکیم نے صاف اورصریح الفاظ میں سرکش گروہ پر جنگ مسلط کرنے کاحکم دے رکھاہ اور باغی گروہ سے جنگ کا فیصلہ کرنے کا اختیار بھی تفویض کر دیا ہے۔

یہ ایک عام فہم بات ہے کہ مذہبی رہنما خوداسی فرقہ وارانہ ماحول میں پلے بڑھے ہیں اوراسی رنگ میں پوری طرح سے رنگے ہوئے بھی ہیں۔ بلکہ ان کی پوری پوری ذہن سازی کی گئی ہے۔لہذا قوم کے اہل دانش کوآگے آنا اوراپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا ہوگا۔قیام پاکستان کی نظیر ہمارے سامنے ہے۔مذہبی رہنما بالعموم ٹھوکریں ہی کھاتے رہے اور اہل دانش نے یہ عظیم معرکہ سرکرلیا تھا۔کسی بڑی تحریک وتبدیلی کی خاطر مذہبی رہنماؤں میں سے کسی کی قیادت وسیادت یوں بھی سودمند نہیں ہوتی کہ ان میں سے ہرکسی کی ذاتی وابستگی یا ہمدردی کسی ایک مکتبۂ خیال کے ساتھ طے شدہ اور مسلمہ ہوتی ہے۔دیگر تمامی گروہ ایسے مواقع پر عدمِ اعتماد اورشکوک وشبہات کے اظہار میں خودکوحق بجانب سمجھتے آئے ہیں۔اور سمجھتے رہیں گے۔اس طرح خفیہ یا علانیہ یا ہردوطرح سے دیگر طبقات اور مکاتبِ خیال کا پوری قوت کے ساتھ مخالفت ومقابلہ پراتر آنا یقینی ہوتا ہے۔ یہ ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو مذہبی پیشوا خود بھی بند گلی میں ہی کھڑے ہیں۔

اِدھر ایک آمر کے سامنے ایک شخصیت کی ایک ''نہ'' اوراس کے نتیجے میں عدلیہ بحالی کے لیے وکلاء تحریک نے ایک نئی اورلائق تقلید نظیر مہیا کردی ہے۔ملک کوکئی طرح کے خطرات درپیش ہیں۔ان میں سب سے بڑا دباؤ اور خطرہ فرقہ واریت ہے۔گروہ بندی اورفرقہ بازی ایسی خطرناک چیز ہے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے سختی سے ممانعت فرما رکھی ہے۔اس کا بر ملا اظہار ضروری ہے۔نیز قوم کی لٹیا ڈبو دینے والے کسی عمل کیخلاف آواز بلند نہ کرنا بھی ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔اورہمیں ایک مربوط ومنظم جدوجہد کے ذریعے ایمان کی اس کمزوری سے نکل کرفرقہ واریت جیسے موذی مرض سے نجات حاصل کرنا ہوگی۔ یہ اس قوم کا سرطان ہے۔تدارک کی تدابیر اختیار کرنے کے عمل میں مزید کوتاہی ہوئی تو یہ سرطان اب تک ہماری قومی ساکھ اور وقار سمیت بہت کچھ برباد کر چکا ہے اور باقی سب کچھ بھی نگل جائے گا۔

اربابِ اختیار اوراہل فکر ودانش کودقت ودشواری تب پیش آئے گی جب اگلے وقتوں کی مذہبی شخصیات سامنے کھڑی نظر آئیں گی۔ان مذہبی شخصیات کے ساتھ خودساختہ طور پر وفاداری کے عہد استوار کر لیے گئے ہیں۔لہٰذا یہ بھی ایک

بڑی ضرورت ہے کہ خود ساختہ ان وفاداریوں سمیت ہر طرح کی شخصی و جذباتی وابستگیوں کی جگہ نظریہ کی اہمیت کے شعور کو اجاگر کیا جائے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اختلافات دور کرنے کا ایک ہی طریقہ اللہ تعالیٰ کا طے اور بیان کردہ موجود ہے کہ معاملہ اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں پیش کیا جائے۔ یہاں کسی اور بارگاہ ذکر ہے نہ وجود۔ پھر آباء پرستی اگر مشرکین مکہ یا دیگر لوگوں کے لیے قرآن حکیم نے ممنوع قرار دی ہے تو مسلمانوں کے لیے اس کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟ اس باب میں بھی ہم لوگ اسلامی تعلیمات سے انحراف کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اور ماضی بالخصوص عہدِ جاہلیت کے اطوار کو پورے طور پر اپنا چکے ہیں۔

ہمیں اپنی قوم کو یہ شعور بھی دینا ہوگا کہ جذبات اور اللہ اور اس کے رسول کے ماسوا کسی اَور سے جذباتی وابستگی کی بجائے نظریات کے زیرِ اثر جینا سیکھیں۔ جذبات وقتی اور عارضی ہوتے ہیں۔ جذبات، افراد کی طرح ہوتے ہیں کہ آج ہیں تو کل نہیں ہوں گے۔ اور نظریات، قوموں کی طرح ہوتے ہیں جو کبھی نہیں مرتے۔ نظریات سے قومیں بنتی ہیں۔ لہٰذا ان کی عمریں بھی قوموں کی عمروں ہی کی طرح طویل ہوتی ہیں۔ دین اسلام ہمیں جذباتی کیفیات و احوال کے زیرِ اثر جینے سے بھی روکتا ہے۔ جذبات، خواہشاتِ نفسانی کے زیرِ اثر ہوتے اور خواہشاتِ نفسانی کے تحت ہی کام کرتے یا بھڑتے ہیں۔ اور خواہشاتِ نفسانی تو ہیں ہی شیطان کا مورچہ۔ قرآن حکیم نے خواہشاتِ نفسانی کی اس اندھی پیروی کے عمل کو جو تعبیری جامہ عطا کیا ہے وہ بہت ہی قابلِ غور ہے۔ قرآن حکیم نے تو اللہ کو چھوڑ کر ان خواہشاتِ نفسانی کو ہی اپنا معبود بنا لینے کے مترادف عمل قرار دے رکھا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَرَاَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اَفَاَنۡتَ تَكُوۡنُ عَلَیۡهِ وَكِیۡلًا (۱۲)

ترجمہ: کیا غور کیا ہے آپ نے کبھی اس شخص پر جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے؟ تو آیا آپ اس کی وکالت کریں گے؟

پھر ارشاد ہے:

اَفَرَاَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمۡعِهٖ وَقَلۡبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنۡ یَّهۡدِیۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ (۱۳)

ترجمہ: تو آیا غور کیا ہے آپ نے اس شخص پر جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے؟ اور اللہ کے قانون نے اسے ایک علم پر ہوتے گمراہ قرار دے دیا، اور اس کے کانوں پر اس کے دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھوں پر ایک پردہ ڈال دیا ہے، تو اللہ کے علاوہ اس کو ہدایت دے گا کون؟ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟

ایک اَور آیہ کریمہ بھی ملاحظہ کیجیے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یَـاَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْالِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ وَاعْلَمُوْااَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ(۱۴)

ترجمہ:اے ایمان والو !اللہ اور اس کا رسول جب تمہیں کسی ایسی چیز کی طرف دعوت دیں جو تمہارے لیے حیات بخشی کی ضامن ہو تو تم سب سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے خوشی سے آؤ آگے بڑھو! اور تمہیں یہ معلوم رہے کہ اللہ کا قانون آدمی اور اس کے دلی جذبات کے مابین حائل ہوا کرتا ہے، اور یہ بھی کہ تم سب اسی کے سامنے پیش کیے جاؤ گے۔

''اللہ''،اسمِ جلالت ہے۔قرآن حکیم میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں اسمِ جلالت سے ذاتِ باری تعالیٰ نہیں بلکہ اس کا قانون مراد ہوتا ہے۔اس کو چاہیں تو اللہ کا قانون کہیں یا قانونِ قدرت۔یہ آیہ مبارکہ اس اصولی امر پر ایک نص کا درجہ رکھتی ہے۔''یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ ''میں فعل مضارع اس امر کی نمائندگی کرتا ہے کہ حائل ہونے کا یہ عمل ایک عادت وروایت اور معمول ہے۔کوئی انہونی نہیں ہے۔اور نہ ہی کوئی وقتاً فوقتاً کے درجے کی چیز ہے۔اس لیے اس کا صائب ترجمہ ہوگا:''آدمی اور اس کے دلی جذبات کے مابین حسبِ معمول حائل ہوا کرتا ہے''۔ ہماری مرضی وخواہش کے مطابق ہی سب احکام وارد ہوتے تو دنیا نہ تو دارالعمل ہوتی اور نہ ہی انسان کسی امتحان میں پڑتا۔انسان کو ایک بڑی امانت کے بارِگراں سے امتحان میں ڈالا گیا ہے(۱۵)۔قرآن حکیم مزید بتاتا ہے کہ یہ موت و زیست کے سلسلے سراسر انسان کی آزمائش اور امتحان کے لیے جوڑے گے ہیں۔اس تعلق سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْکُ وَهُوَعَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ (۱۶)

ترجمہ:برکتوں والا ہے وہ جس کے قبضہ قدرت میں ملک ہے اور وہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔وہی جس نے موت وحیات کا نظام وضع فرمایا ہے تاکہ تمہیں آزمائے کہ کون تم میں سے از روئے عمل اچھا نکلتا ہے اور وہ اللہ دبدبہ ودھاک رکھنے والا بخشنے والا ہے۔

قرآن حکیم ہی کا ایک اَور سوال بھی ملاحظہ کر لیجیے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ. فَتَعٰلَی اللّٰهُ الْمَلِکُ الْحَقُّ لَآاِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ. وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَایُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ (۱۷)

ترجمہ: تو آیا تم یہ گماں کیے بیٹھے ہو کہ ہم نے تمہیں بے کار ہی پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف پلٹائے نہیں جاؤ گے؟ تو بہت بلند ہے اللہ کی شان، ملکِ حقیقی وہی ہے، اس کے سوا ہر طرح کے معبود باطل ولغو ہیں، وہ رب ہے عرشِ کریم کا۔ اور جو کوئی بھی اللہ کے ساتھ ساتھ کسی اَور معبود کے ساتھ بھی خود کو وابستہ کرلے گا تو ایسے عمل کے حق میں لائی جانے والی ہر دلیل و برہان باطل وبیکار ہے، تو اس کا اُصل حساب وکتاب بس اس کے ربِ حقیقی ہی کی بارگاہ میں ہوگا، یہ مسلمہ اُمر ہے کہ وہ انکار وانحراف کرنے والوں کو فلاح نہیں دیتا۔

جن جن کو قدرت نے یہ موقع دیا ہے اور جن کے سر یہ ذمہ داری ڈالی گئی ہے کہ وہ قرآن اور اُسوہ رسولِ کریم ﷺ کی روشنی میں قومی سلامتی اور وقار کا تحفظ کریں ان کو اپنی ہر کوتاہیٔ عمل کا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی پورا پورا حساب دینا ہوگا۔ اور یہ جوابدہی یقینی ہے۔ فرار و اغماض کا ہمارے پاس کوئی موقع نہیں ہے۔ قرآن حکیم نے جملہ ذمہ داریاں تفویض کردی ہیں اور ہم اس دار العمل میں ایک کڑی آزمائش سے گزر رہے ہیں۔ اس آزمائش کو ہماری اپنی بد اُعمالیوں اور بے اعتدالیوں نے اَور بھی کٹھن اور مشکل بنا دیا ہے۔ مگر یہ بھی قیامِ پاکستان کے عمل نے ہی ثابت کردیا ہے کہ جب بھی ہماری نیتیں اور ارادے ٹھیک اور درست سمت میں قومی خدمت کے پاکیزہ جذبے کے تحت یکسو ہوتے ہیں تو قدرت کی غیبی امداد آ پہنچتی ہے۔

لہٰذا بے دلی و بددلی کی کیفیت سے نکل کر ہمیں معاملات کو سدھارنے کے لیے عملی اقدامات کی طرف بڑھنا ہو گا۔ جب تک قرآن حکیم سے ہماری نظریں ہٹی ہوئی تھیں آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل کی کیفیت تھی۔ اب شعور بڑھ رہا ہے اور حالات بہت تیزی سے بدل رہے ہیں۔ چنانچہ زیادہ عرصہ تک نظریات کو لاوارث چھوڑ کر محض جذباتی وابستگیوں کے سہارے یا زیرِ اثر جینے کی یہ کیفیت برقرار نہ رہ پائے گی۔ خوش نصیب ہوں گے وہ لوگ جو اصلاح وفلاح کے اس عمل میں ہراوَل دستے میں شامل وشریک ہوں گے۔

## مآخذ ومراجع


۱۔ قرآن حکیم، سورہ(۹۷) القدر: ۳

۲۔ عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی کلچر، مترجم: ڈاکٹر جمیل جالبی، لاہور، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، طبع سوم: جون ۲۰۰۵ء، ص: ۴۱۵

۳۔ قرآنِ حکیم، سورہ(۴۹) الحجرات: آیت: ۱۳،

۴۔ ابن ہشام، عبدالملک، ابومحمد، السیرۃ النبویہ، برحاشیہ الروض الانف، ملتان، عبدالتواب اکیڈمی، بلاسن طباعت، ص: ۲۷۴، ج: ۲

۵۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، کراچی، دارالاشاعت، اول: ۱۹۸۵ء، ص: ۲۹۹، جلد: ۱

٦۔ حکیم الامت، محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال اردو، لاہور و کراچی، شیخ غلام علی، اشاعتِ ششم، ستمبر ۱۹۸۴ء، ص:۲۴۸

۷۔ روزنامہ جنگ کراچی، اشاعت:۱۵، اپریل ۲۰۱۳ء،

۸۔ ایضاً

۹۔ قرآنِ حکیم، سورہ (۴) النسآء، آیت:۵۹

۱۰۔ قرآنِ حکیم، سورہ (۸) الانفال، آیت:۴۶

۱۱۔ قرآنِ حکیم، سورہ (۴۹) الحجرات، آیات:۹و۱۰

۱۲۔ قرآنِ حکیم، سورہ (۲۵)، الفرقان، آیت:۴۳

۱۳۔ قرآنِ حکیم، سورہ (۴۵) الجاثیۃ، آیت:۲۳

۱۴۔ قرآنِ حکیم، سورہ (۸) الانفال: آیت:۲۴

۱۵۔ قرآنِ حکیم، سورہ (۳۳) الاحزاب:۷۲

۱۶۔ قرآنِ حکیم، سورہ (۶۷) الملک، آیات:۱،۲

۱۷۔ قرآنِ حکیم، سورہ (۲۳) المؤمنون، آیات:۱۵تا۱۷